آٹزم(Autism)

سیاست کی کبھی ٹھیک نہ ہونے والی گانٹھیں بھی ایسی ہی رہیں گی۔نظام کا تبدیل ہونا یا کرنا، ناممکنات میں سے ہے۔جس ماحول میں ہم سانس لے رہے ہیں۔اس میں مثبت طریقے سے بولنا بھی آدمی کی استطاعت سے باہر ہے۔یہ سب حل نہ ہونے والے مسئلے ہیں۔جن پر طالب علم کی نظر میں اب کچھ بھی کہنا، کسی قسم کی عملی وقعت نہیں رکھتا۔مگر اس کے بالکل متضاد، ایک اور سوچ بھی ہے۔ہم کسی بھی حکومت کے ہونے یا نہ ہونے سے بالاتر ہو کر بہت بہتر کام کر سکتے ہیں۔یہ ایک سوال بھی ہے۔عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم اپنے بل بوتے، ذہن، خواب، خیالات اور محنت سے اپنی ذاتی زندگی اور معاشرے میں کسی قسم کی کوئی بہتری لا سکتے ہیں یا نہیں؟ میرا جواب اس حد درجہ پیچیدہ سوال کا ''ہاں'' میں ہے۔اگر ہم چاہیں تو اس گلے سڑے نظام میں رہتے ہوئے، مگر اس سے اوپر نکل کر اپنی کوشش سے بہت بہتر کام کر سکتے ہیں۔اور ان گنت لوگ تو ایسے ہیں جو بغیر کسی صلے اور ستائش سے نیکی کے بیج بو رہے ہیں۔جی ہاں۔اب ہر سوچنے اور شعور رکھنے والے انسان کے پاس یہی آپشن رہ گئی ہے۔موجودہ سنجیدہ عمر میں طالب علم نے بھی یہی فیصلہ کر رکھا ہے کہ اپنی دسترس میں جو بہتری لانے کی سعی کر سکتا ہوں، وہ کرتا رہوں گا۔اور طویل عرصے سے انتہائی تندہی سے کوشش میں مصروف ہوں۔

اسی سوچ کی ایک کڑیAutism کے متعلق آگاہی اور اس موذی مرض میں مبتلا بچوں کے معقول علاج کے بارے میں ہے۔آٹزم کیا ہے؟ کیوں ہوتا ہے؟ یہ کس طرح بچوں کو اپنی گرفت میں لیتا ہے؟ اس کے متعلق حد درجہ مفصل طریقے سے عرض کروں گا۔اس مرض کے نوے (90 فیصد) مریض (genes) جینز کی بے ترتیبی اور ماحول کے اثرات سے منسلک ہیں۔حد درجہ معمولی گزارش کر رہا ہوں۔اس کے علاوہ بھی بہت سی وجوہات ہیں۔مگر ایک تحریر میں ان کے متعلق بات نہیں کی جا سکتی۔اب ذرا سماجی رویے کی طرف آئیں۔جینز کا ایک ہی خاندان میں بار بار دہرایا جانا، اس مرض کی سب سے بڑی وجہ ہے۔مگر ہمارے معاشرے میں اس پر بات کرنا قدرے مشکل ہے۔فرسٹ کزن سے شادی، اس مرض کو دعوت دینے والی بات ہے۔مگر پورے اسلامی معاشروں اور پاکستان میں خالہ، ماموں، پھوپھو یا نزدیکی رشتہ داروں میں شادی کرنے کا رواج بہت زیادہ مضبوط ہے۔اس پر بحث کرنا بھی عبث ہے۔کیونکہ یہ وطیرہ تبدیل ہونا ناممکن ہے۔اس رجحان کے مضمرات کو بتانا بہر حال ضروری ہے۔طبی بنیادوں پر کزن سے شادی کرنے کے رواج کو فکری طور پر تبدیل کرنا چاہئے۔نوجوان نسل سے مخاطب ہوں۔تعلیم، شعور اور آگاہی ہونی چاہئے۔کہ آپ کا ایک قدم کس طرح، ایک آنے والی پیڑھی کو مکمل طور پر غرقاب کر سکتا ہے۔یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آج کل ہر انسان کے پاس موبائل موجود ہے۔آپ بذات خود گوگل کر کے آٹزم کے متعلق پڑھ لیجئے۔چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ہو سکتا ہے کہ ذاتی تحقیق، آپ کو آنے والے وقت کی آگاہی دے سکے۔شاید آپ کو میرا یہ مکالمہ ناگوار گزرے۔کیونکہ عمومی طور پر نزدیکی رشتہ داروں میں شادی کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ اس لڑکی، لڑکے اور خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔مگر ہر فیصلے کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔مندرجہ بالا بات بالکل درست ہے۔مگر اس کے برعکس، اگر اس کے نتائج، اگلی نسل کے کسی بچے یا بچی کو، کسی بھی غلط فیصلے کی بدولت بھگتنے پڑیں تو یقین جانیے کہ یہ ظلم ہے۔مگر اس کا علم کم ہی لوگوں کو ہے۔دوسرا فرق ماحول کا ہے۔مگر اس کا بیماری میں تناسب صرف بیس فیصد ہے۔اور یہ زچگی کے دورانیے سے منسلک ہے۔دوبارہ گزارش کروں گا کہ اسی فیصد تناسب، صرف اور صرف فرسٹ کزن سے شادی کا ہے۔

اب ذرا مرتے دم تک قائم رہنے والی بیماری کے علاج کی طرف آئیے۔دوائیوں سے اس کا علاج آج کی تاریخ تک ممکن نہیں ہے۔اس میں سب سے زیادہ رول سائیکولوجسٹ کا ہے۔Clinical Psychology، وہ سیکٹر ہے جس نے مختلف جہتوں پر محنت کر کے بچوں کو بہتری کی طرف لے جانا ہوتا ہے۔طرز علاج کیا ہے۔یہ سب کے لئے جاننا ضروری نہیں ہے۔اور آسان بھی نہیں ہے۔مگر سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے پاس ایسے سنٹر ہیں جن میں اس کا علاج ہو رہا ہے۔اس سوال کا جواب صرف ایک ہے۔پورے ملک میںAutism کے مریض بچوں کی دیکھ بھال کے سنٹر نہ صرف بہت کم ہیں۔بلکہ ان میں سے اکثریت بین الاقوامی سطح کی ہرگز ہرگز نہیں ہے۔کئی لوگوں نے گلی محلوں میں چھوٹے چھوٹے سنٹر ضرور قائم کر رکھے ہیں۔مگر ان میں کس طرح کا علاج ہوتا ہے۔اس کی بابت سوالات موجود ہیں۔کئی ایسے مرد اور خواتین کو جانتا ہوں جو حد درجہ عمدہ کام کر رہے ہیں۔مگر ان کو کسی طرف سے بھی اتنا سہارا نہیں مل رہا کہ وہ اپنے سنٹرز کو بہتر بنا سکیں۔پھر ایک اور مسئلہ بھی ہے۔آٹزم کے سنٹر بڑے بڑے شہروں تک محدود ہیں۔اپنی معلومات کے مطابق لکھ رہا ہوں۔ہو سکتا ہے کہ بڑے قصبوں میں بھی ہوں۔مگر میری ناقص معلومات کے مطابق ایسا کم ہی ہے۔اگر حکومتی سطح پر آٹزم سنٹر کے بارے میں بات کریں تو دل دکھتا ہے۔اس پر جدید لحاظ سے بہت کم توجہ دی گئی ہے۔لاہور جیسے بڑے شہر میں، جہاں دہائیوں سے ایک ہی سیاسی جماعت کا غلبہ ہے۔یہاں بھی حکومت کی طرف سے صرف اور صرف آٹزم کے مریض بچوں کے لئے ایک آدھی سہولت موجود ہے۔یاد رہےSpecial education school پر بات نہیں کر رہا۔صرف آٹزم جیسے موذی مرض کے سکول، کالجوں اور سنٹرز کی بابت گزارش کر رہا ہوں۔ویسے ہماری ستر اسی برس سے قائم و دائم حکومتوں کی ترجیحات کیا ہیں؟ کم از کم میرے جیسے جاہل کو سمجھ نہیں آ سکی۔اکثر لوگ مجھ سے مسائل کا حل پوچھتے ہیں۔اپنے جائز سوالات کے جوابات مانگتے ہیں۔مگر سچ پوچھیے تو میرے پاس کسی ایک سوال کا بھی جواب نہیں ہے۔بلکہ اب تو میرے ذہن میں بھی صرف اور صرف سوالات ہیں، جواب کا خانہ تو بالکل خالی ہے۔بہر حال یہ حد درجہ نازک بحث کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھیے۔مزید عرض کروں گا کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہنے پر مجبور ہیں جہاں سوال پوچھنا ہی منع ہے۔بلکہ اکثر سوال پوچھنے پر غداری اور کفر کا فتویٰ بھی بڑی آسانی سے لگ سکتا ہے؟ صرف پاکستان کی بات نہیں۔تمام مسلم ممالک، اس ادنیٰ پن کا شکار ہیں۔شعور، تجسس اور غیر روایتی سوچ کو ہر جگہ ایک تابوت میں بند کر دیا گیا ہے اور پھر اسے زیر زمین، اتنی گہرائی میں دفن کیا گیا ہے کہ غلطی سے بھی کوئی دلیل پر بات کرنے والا نہ رہے۔

چلیے چھوڑیئے! بات آٹزم کی ہو رہی تھی۔جب ہم اس کی وجوہات کو درد دل سے سمجھنے سے قاصر ہیں تو پھر علاج تو بڑے دور کی بات ہے۔حالیہ دنوں میں ایک سروے طالب علم کی نظر سے گزرا جس میں کسی تعلیمی ادارے میں طلباء اور طالبات سے پوچھا گیا کہ وہ فرسٹ کزن سے شادی کرنا چاہیں گے یا نہیں؟ جواب بہت زیادہ فکر انگیز تھا۔لڑکیوں کی اکثریت نے کہا کہ وہ اپنے نزدیکی رشتہ داروں میں شادی نہیں کرنا چاہتیں۔اس کے بالکل الٹ، لڑکوں کی اکثریت نے جواب دیا کہ وہ اپنے ہی خاندان میں، قریبی رشتہ دار لڑکیوں سے شادیاں کرنا چاہیں گے۔یہ سروے اس ہفتے کیا گیا ہے۔لازم ہے کہ 2026 ہی میں سامنے آیا ہے۔اگر تعلیمی شعور ہونے کے باوجود، فکری رویے، اتنے غیر سائنسی ہیں تو خود بتائیے کہ ہم آٹزم کا جدید بنیادوں پر مقابلہ کیسے کریں گے۔مگر ایک مثبت بات ضرور ہے۔کم از کم پڑھی لکھی لڑکیوں کی ذہنی سطح، اس قدر سنجیدہ ہے کہ وہ اپنے فرسٹ کزن کے ساتھ شادی کرنے سے گریزاں ہیں۔میرے لئے کم از کم یہ شعور بھی حد درجہ مناسب ہے۔

اب ذرا علاج کی بابت کچھ مزید گزارشات کرنا چاہوں گا۔حکومت سے قطعاً مخاطب نہیں ہوں۔پورے ملک میں آٹزم سے متاثرہ بچوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ سے زیادہ ہے۔اصل تعداد کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔یہ تعداد دس بارہ لاکھ سے تجاوز کر سکتی ہے۔آٹزم کے شکار بچوں کا تعلق ہر طرح کے خاندان سے ہوگا۔معاشی اعتبار سے عرض کر رہا ہوں۔اس میں صاحب ثروت لوگ بھی ہوں گے۔یہ خدا کے فضل سے مالا مال خاندان، اپنی حیثیت کے مطابق سرمایہ اکٹھا کریں۔پروفیشنل لوگوں سے رابطہ شروع کریں تو ہر شہر میں آٹزم کے علاج کے لئے ان گنت مراکز کھولے جا سکتے ہیں۔جہاں بچوں کو جدید طرز کی سہولیات میسر ہوں۔اور ان کی بین الاقوامی اصولوں کے مطابق دیکھ بھال کی جا سکے۔یہ خیال بالکل قابل عمل ہے۔اور میں بھی ہر طریقہ سے اپنا حصہ ڈالنے کے لئے تیار ہوں۔انتظامی رابطوں کے لئے اچھے لوگوں کو جانتا ہوں۔آئیے! بغیر کسی حکومتی مدد کے، آٹزم کے خلاف جہاد کریں۔شاید اس سے ہمارا آنے والا وقت قدرے بہتر ہو جائے!